بعثتم معها ضاربة تضرب بالدف وتغنّی؟ قلت تقول ماذا؟ قال تقول:

أتیناکم أتیناکم فحیّونا نحییکم ٭ لولا الذهب الأحمر ما حلّت بوادیکم ٭ لولا الحنطة السمراء ما سمنت عذاریکم

حضورؐ نے پوچھا کہ اس یتیمہ کا جو عائشہؓ کے پاس تھی کیا ہوا؟ عائشہؓ نے عرض کیا کہ ہم نے اسے اس کے شوہر کے پاس رخصت کر دیا۔ فرمایا کہ تم نے کوئی عورت اس کے ساتھ نہ کر دی جو ذرا گاتی اور دف بجاتی ہوئی ساتھ جاتی؟ عرض کیا کہ ایسے گیت کے بول کیا ہونے چاہئیں تھے؟ فرمایا کہ یہ مصرعے گاتی ہوئی جاتی: (ترجمہ) ہم تمہارے گھر آئے تم ہمارے ہاں آنے والے، تم ہم پر سلامتی بھیجو اور ہم تم پر۔

اسی طرح بخاری، ابوداؤد اور ترمذی میں رُبیّع بنت معوّذ سے روایت ہے کہ:

جاء النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم حین بنی علیّ فدخل بیتی وجلس علی فراشی فجعل جویریات لنا یضربن بالدف ویندبن من قتل من آبائهن یوم بدر اذ قالت احداهنّ: وفینا نبیٌّ یعلم ما فی غدٍ۔ قال لها صلّی اللہ علیہ وسلّم دعی هذه وقولی بالتی کنت تقولین۔

جب میری (ربیع بنت معوذ) کی رخصتی ہوئی تو حضورؐ میرے غریب خانے پر رونق افروز ہوئے اور میرے ہی بستر پر بیٹھ گئے۔ چند لڑکیاں دف بجا بجا کر اپنے بدر میں شہید ہونے والے بزرگوں کی مدح سرائی کرنے لگیں۔ ایک نے کہیں یہ مصرعہ گایا کہ (ترجمہ) ہم میں ایک پیغمبر ایسا ہے جو یہ جانتا ہے کہ کل کیا ہوگا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ نہ کہو، وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں۔ (یعنی گا رہی تھیں)۔

ایک روایت اور بھی سنئے جو بخاری، مسلم اور نسائی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے:

دخل رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم وعندی جاریتان تغنّیان بغناء بعاث فاضطجع علی الفراش وحوّل وجهه ودخل ابوبکر فانتهرنی وقال مزمارة الشیطان عند النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم؟ فاقبل علیه صلّی اللہ علیہ وسلّم فقال دعهما ...... وکان یوم عید ......

حضورؐ میرے ہاں تشریف لائے، اس وقت دو لڑکیاں جنگ بعاث کے گانے گا رہی تھیں۔ حضورؐ بستر پر لیٹ گئے اور دوسری طرف کروٹ بدل لی۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے اور مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا کہ رسول اللہؐ کی موجودگی میں یہ شیطانی گیت؟ حضورؐ نے جناب ابوبکرؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ رہنے دو ان بیچاریوں کو ...... یہ عید کا دن تھا ......

اور یہ روایت تو سب ہی جانتے ہیں کہ ہجرت مدینہ کے دن عورتیں دف پر یہ گا رہی تھیں:

طلع البدر علینا ٭ من ثنیات الوداع ٭ وجب الشکر علینا ٭ ما دعا للہ داع

ہم پر چاند نکلا ہے، وداع کے ٹیلوں سے ٭ ہم پر شکر واجب ہے، جب تک دعا کرنے والا دعا کرتا رہے

ان روایتوں میں ایک حدیث ہے جو حضورؐ کی زبان سے شعر بن کر نکلی یعنی أتیناکم الخ اور دوسرے اشعار کو تقریری حدیثوں میں شمار کرنا چاہیے۔

(۲) دوسری چیز جو سازوں پر یا بغیر سازوں کے گائی جا سکتی ہے حمدیہ اور نعتیہ اشعار ہیں اگر ان میں کوئی آیت قرآنی یا اس کا ٹکڑا

مصرعہ بن کر آجائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

(۳) تیسری چیز وہ رجز ہیں جو مجاہدین میں شعلۂ سرفروشی پیدا کرنے کیلئے ہوتے ہیں۔ بینڈ اور قومی ترانے بھی اسی ضمن میں آجاتے ہیں۔

(۴) چوتھی چیز "حدی خوانی" ہے جو جانوروں میں بے خودی اور تیز رفتاری پیدا کرنے کیلئے کی جاتی ہے حضورؐ نے بھی یہ سُنی ہے۔

(۵) پانچویں چیز وہ موسیقی یا اشعار ہیں جو سوز و گداز اور رقیق القلبی پیدا کرنے کیلئے گائے جائیں اس سے قساوت و سخت دلی دور ہوتی ہے۔

(۶) چھٹی چیز وہ گانے ہیں جو غم غلط کرنے یا دل بہلانے یا توجہ ہٹانے یا کثرت کار کے بعد تھوڑی دیر آرام لینے کے لئے گائے جاتے ہیں۔ بچوں کے لئے جو لوریاں گائی جاتی ہیں وہ بھی اسی ضمن میں داخل ہیں۔

(۷) ساتویں چیز وہ موسیقی ہے ــــ خواہ ساز کے ساتھ گانے ہوں یا تنہا گانے یا تنہا ساز ــــ جو مریضوں کو تندرست کرنے کیلئے ہوتی ہے اسپتالوں میں اسکے تجربے ہو رہے ہیں اور بعض جگہ خاطر خواہ کامیابی ہوئی ہے۔ چنانچہ جوہری طنطاوی لکھتے ہیں:

واما الموسیقی فھو علم یتبین فیہ قوانین النغمات والالحان وتاثیرھا فی نفوس السامعین تاثیرًا بیّنًا یضارع ما تفعلہ العقاقیر الطبیۃ فی الاجسام الحیوانیۃ .... والف فیہ ابونصر الفارابی وابن سینا فی جملۃ کتاب الشفاء وصفی الدین عبد المؤمن وثابت بن قرۃ الصابی وابوالوفاء البوزجانی ــــ ومنفعۃ ھذا العلم بسط الارواح وتعدیلھا وتقویتھا تارۃً وقبضھا تارۃً اخری۔ اما الاول فیکون فی الافراح والحروب وعلاج المرضی وبہ یظھر الکرم والشجاعۃ ونحوھا۔ واما الثانی فیکون فی الماتم وبیوت العبادات فیقبض النفوس عن ھذا العالم ویحرکھا الی مبدئھا فتفکر فی العواقب .... (تفسیر طنطاوی ج ۱۵ صـ۱۷۷)۔

موسیقی ایک ایسا علم ہے جس میں نغموں اور لہجوں کے قوانین سے بحث کی جاتی ہے اور ان کا جو اثر یقینی طور سے دلوں پر ہوتا ہے اس سے بھی بحث ہوتی ہے .... ابونصر فارابی، ابن سینا، صفی الدین بن عبدالمومن، ثابت بن قرہ صابی اور ابوالوفا بوزجانی نے اس فن پر کتابیں لکھی ہیں۔ اس فن کا فائدہ یہ ہے کہ کبھی تو اس سے روح میں انبساط اعتدال یا تقویت پیدا ہوتی ہے اور کبھی اس میں سکیڑ پیدا ہوتا ہے پہلی قسم کا فائدہ جشنوں، جنگوں اور مریضوں کے علاج کے مواقع پر حاصل ہوتا ہے اور اسی کے ذریعے سخاوت یا شجاعت جیسے جوہر کھلتے ہیں اور دوسری قسم کا فائدہ مواقع غم یا عبادتگاہوں میں حاصل ہوتا ہے اس وقت یہ موسیقی دلوں کو اس عالم فانی سے ہٹا کر اس کے اصل مبدأ کی طرف پھیر دیتی ہے اور دل آخرت و انجام پر غور و خوض کرنے لگتے ہیں۔

اس عبارت کے فوراً ہی بعد طنطاوی ایک دلچسپ بات لکھتے ہیں: وھذا آخر ما یحدث من الصناعات فی الدولۃ لانہ کمالیٌ واول ما ینقطع من العمران عند اختلالھا۔ (چونکہ فن موسیقی کا تعلق کمالیات سے ہے اس لئے کسی حکومت میں یہ فن سب سے اخیر میں فروغ پاتا ہے اور جب حکومت میں اختلال (اثرات زوال) پیدا ہوتا ہے تو معاشرے سے سب سے پہلے یہی فن غائب ہو جاتا ہے)۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ فن موسیقی ایک ایسا نقطۂ عروج (CLIMAX) ہے جس کے بعد زوال شروع ہو جاتا ہے یعنی یہی علامت کمال ہے اور یہی نشانِ زوال۔ اسی روشنی میں

اقبالؒ کے "فلسفۂ تقدیر امم" کو دیکھئے جہاں وہ کہتے ہیں کہ ؂

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

گویا موسیقی کی فنی ترقیاں دورِ انحطاط سے بہت زیادہ تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن یہ دورِ انحطاط ایسا دور ہوتا ہے جسکی سرحدیں کمالیات کی سرحدوں سے ملی ہوتی ہیں۔ یہ دور ایسا ہوتا ہے کہ شمشیر و سناں کی گرفت ڈھیلی ہو کر طاؤس و رباب کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ اگر اس فن میں اس درجے انہماک نہ ہو کہ شمشیر و سناں چھوٹ جائیں تو یہ ممدِ حیات رہتا ہے اور اس کے وہ تمام فوائد حاصل ہوتے ہیں جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن اگر یہ ذریعہ بن جائے عیش و طرب کا، بیکاری کا، بزدلی کا، تخریبِ اخلاق و اذہان کا تو ظاہر ہے کہ شمشیر و سناں اور طاؤس و رباب کے توازن میں شدید بگاڑ پیدا ہو کر رہتا ہے —— حضرت داؤدؑ کی پوری زندگی میں ہمیں جہاں موسیقی، ترنم، سوز اور رسانی کی فراوانی دکھائی دیتی ہے وہاں قرآن کریم کی یہ آیت بھی سامنے موجود ہے کہ: یٰداؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھویٰ ۔۔ (اے داؤدؑ ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہٰذا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کیا کرو اور ہوائے نفس کی پیروی نہ کرو)۔

اور اسی طرح اس آیت پر بھی نظر پڑتی ہے: وقتل داؤد جالوت - (جالوت کو داؤدؑ نے قتل کیا)

اسی طرح حضورؐ کی زندگی میں شمشیر و سناں اور طاؤس و رباب میں نہایت اعلیٰ درجے کا توازن نظر آتا ہے۔ شمشیر و سناں سے مراد محض مادی قوت آہنی نیزہ اور تلوار نہیں، بلکہ بے پناہ عملی سرگرمی، تنظیم کی آہنی گرفت، قانون کا غیر معمولی احترام، پامردی و استقامت کا اعلیٰ نمونہ وغیرہ اس سے مراد ہے اسی طرح طاؤس و رباب سے مراد محض گانا بجانا نہیں بلکہ جذباتِ عشق کے تقاضے، لطافت و نزاکت کی باریکیاں، آرٹ اور حسن کاری (احسان) وغیرہ اس سے مراد ہے موسیقی تو محض ایک حصہ ہے احسان (حسن کاری) کا جس طرح تلوار اور نیزہ ایک جزء ہے معاشرتی اور ملی زندگی کا —— انسان کے اندر دو قوتیں بکمال پائی جاتی ہیں عقل اور عشق، ایک جزء RATIONAL ہے اور دوسرا (EMOTIONAL) - ان دونوں کا صحیح امتزاج ہی اسلام ہے اور ان دونوں کے توازن میں جتنا بگاڑ پیدا ہوتا ہے اسی تناسب سے اسلامی زندگی میں بھی بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ قانون کا تعلق عقل سے ہے اور اخلاق کا جذبات سے - جذبات کی کارفرمائیاں عقل و قانون سے بالاتر ہوتی ہیں عقل جذبات پر کنٹرول کرتی ہے اور عشق عقل میں حرکت پیدا کرتا ہے عقل یہ تو بتا دیتی ہے کہ فلاں بات قابلِ قبول ہے اسلئے کہ معقول ہے لیکن اسکی طرف بڑھنے اور لپکنے کیلئے عقل کو حرکت دینا جذبۂ عشق کا کام ہے عقل جب قدم اٹھانے سے کتراتی ہے تو عشق ہی اسے مہمیز لگاتا ہے اور جب خنگِ عشق اپنی حدود سے آگے بڑھنے لگتا ہے تو شہسوارِ عقل ہی زمامِ اعتدال کو حرکت دیتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ اور اسلام ان دونوں کو بے راہ روی سے روک کر ہم آہنگ کرتا ہے جب عقل و سیاست کی فراوانی سے جذباتِ واجبہ میں کمی آنے لگے تو وہ جذباتِ سلیمہ کو ابھارتا ہے اور جب جذبات کی رو عقل کو بھی بہا کر لیجانے لگے تو وہ ابھرتے ہوئے بے مقصد جذبات کو عقل سے دباتا ہے —— معلوم ایسا ہوتا ہے کہ سیدنا داؤدؑ کے دورِ نبوت میں عبادات و مناسک کا صرف ظاہری ڈھانچہ رہ گیا تھا اور روح نکل چکی تھی۔ سوز و گداز جو عبادت کی جان ہے باقی نہ رہا تھا۔ یکسوئی، توجہ الی اللہ، تذلل، عاجزی، لینت کی بجائے تقشف، سخت دلی، تنگ نظری، غرورِ عبادت، خشکی و خشونت وغیرہ پیدا ہو گئی تھی۔ سیدنا داؤدؑ نے (بحکم الٰہی) دلوں میں گداز اور نرمی پیدا کرنے کیلئے موسیقی اور اسکے لوازم سے کام لیا نثر کی جگہ منظوم کلام الہام ہوئے، وعظ و نصیحت بھی نظم میں، دعائیں بھی اشعار کی شکل میں، فتح و نصرت کے شادیانے بھی منظوم انداز میں —— پھر اشعار کی فطرت اندر سے

موسیقی کا مطالبہ کرتی ہے اسلئے ہر موقع کیلئے الگ الگ سُروں کے گیت گائے گئے۔ یہ سوز وساز کا مطالبہ کرتا ہے اسلئے موسیقی کے ساتھ دس دس تاروں والی بربط اور بانسلی، جھانجھ، دف وغیرہ کا استعمال بھی ساتھ ساتھ ہُوا ــــ ایک پیغمبر (سیدنا داؤدؑ) کے متعلق یہ تو ہم کبھی نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے شمشیر وسنان اور طاؤس ورباب میں توازن کو باقی نہ رکھا ہوگا جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے ہم جہاں ایک طرف یہ آیت دیکھتے ہیں کہ، انا سخرنا الجبال معه يسبحن بالعشي والاشراق ۰ والطير محشورة ... (۳۸ : ۱۸) (ہم نے پہاڑوں کو مسخر کردیا جو داؤدؑ کے ساتھ صبح وشام تسبیح کرتے تھے اور پرندے بھی اکٹھے ہو جاتے تھے) ــــ وہاں یہ بھی دیکھتے ہیں کہ : وقتل داؤد جالوت۔ (داؤدؑ نے جالوت کو قتل کر دیا) ــــ اور یٰداؤد انا جعلنك خليفة في الارض فاحكم بين الناس بالحق .... (اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہٰذا لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کیا کرو۔ ... اور واذكر عبدنا داؤد ذا الايد۔ (میرے بندے داؤدؑ کو یاد کرو جو قوت والے تھے)۔

پہلی آیت کی تفسیر اس وقت ہمارے پیشِ نظر نہیں تاہم سرسری طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ کی تسبیح ومناجات کا انداز ایسا دلکش اور مسحور کن ہوتا تھا کہ در و دیوار سے وہی چیز نکلتی معلوم ہوتی تھی اور پرندوں پر بھی بے خودی طاری ہو جاتی تھی۔ اس کا تجربہ اب بھی ہو سکتا ہے اور بارہا ہُوا ہے اور یہی ہے وہ حقیقت جو افلاطون کی زبان سے یوں ادا ہوئی ہے کہ: وتاثيرها في نفوس السامعين تاثيرا بينا۔ (نغمہ ولحن کی تاثیر سننے والوں کے دل میں (خواہ وہ سننے والے انسان ہوں یا حیوان) ناقابلِ انکار ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ ایک پیغمبر کے دَور میں موسیقی کی جو فراوانی نظر آئے اس کا ہر دَور میں اسی تناسب سے باقی رکھنا ضروری نہیں۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ اگر ایک پیغمبر کے دَور میں موسیقی کا فقدان یا غایت قلت نظر آئے وہی قلت یا فقدان ہر دَور میں رہے۔ اس چیز کی کثرت وقلت کا پیمانہ معاشرے کے اہل نظر معین کرینگے۔ زمان ومکان یا احوال وظروف کے تقاضوں کے مطابق کہیں اسے بالکل ختم کر دیا جائے گا کہیں تھوڑا حصہ باقی رکھا جائیگا اور کہیں اس کو خاطر خواہ ترقی دی جائے گی ــــ

ایک پیغمبر کی نظیر پیش کرنے سے میرا مقصد صرف یہی ہے یہ کوئی ایسی شے نہیں جس سے تعلق رکھنے والا حرام کا مرتکب قرار دیا جائے۔ اگر یہ کوئی ابدی حرام شے ہوتی تو اوّلاً قرآن ہی صاف لفظوں میں اس کی وضاحت کر دیتا اور ثانیاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ کبھی گانا سنتے نہ دف۔ اس کے بعد جب ہم صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین، محدثین، فقہا، علما اور صوفیہ کو دیکھتے ہیں تو بڑی حیرت ہوتی ہے کہ بہت بڑی غالب اکثریت اس کے جواز کی قائل ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ نیت اور استعمال کا طریقہ ایک ہی چیز کو حلال اور اسی چیز کو حرام کر دیتا ہے۔ جب استعمال اور اسکی غرض درست ہو تو موسیقی جائز بلکہ مستحب بھی ہو سکتی ہے اور اگر یہی موجب فساد ہو جائے تو موسیقی کیا ایسی عبادت بھی موجب عذاب ہو جاتی ہے۔ وہی نماز جو موجب فلاح ہے جب غلط طریقے سے پڑھی جائے تو فويل للمصلين کا مصداق بن جاتی ہے۔ غرض موسیقی یا دوسرے فنون لطیفہ کی نہ حلت مطلقاً حلت ہے اور حرمت علی الاطلاق حرمت۔ یہ اضافی چیزیں ہیں اور موقع ومحل کی مناسبت سے ہی اسے حلال یا حرام کہا جا سکتا ہے ــــ